

قرآنی اسلوبِ ابلاغ: اقسام و نظائر اور عصری تقاضے

Qur'ānic Style of Communication: Types, Paradigms and Modern Requirements

* حافظ مدثر فاروق

** سعید احمد سعیدی

Abstract:

In this age of Mass media, Communication's modes are too fast and modern. Current affairs and other messages continuously bombarded through mass Media at every second. Theorists and practitioners set codes, models and paradigms in order to achieve more fine result of their communication ideologies. These theories are different for different societies and still there is an ongoing debate of their effectiveness. Only one communication pattern without any doubt and weaknesses verily incomparable is the pattern of final revelation Al Qur'an. Expressions, colorfulness, uniqueness, Modernity, Literature, vision presenting a two-way communication as well. Its efficacy is for every person of every group till the end of this world. Many leading institutes like Harvard University ranks Qur'an as best book of justice. This paper explores the manner and pattern of communication Qur'an gives us with all its codes. This study opens many new ways of thinking for us like we get vibes of talking with Qur'an.

Keywords: Mass media, Communication, Theorists and practitioners, revelation, Expressions, colorfulness, uniqueness, Modernity

* ریسرچ اسکالر، الادراک ریسرچ سنٹر، لاہور

** اسٹنٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تخلیق فرما کر اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دیا بلکہ آدم اور نسل آدم کے لیے بے شمار نعمتیں بھی مہیا فرمائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانیت کو بے شمار اوصاف و کمالات سے بھی نوازا، جن میں سب سے بڑا کمال انسان کو اشرف المخلوقات کے مرتبہ پر فائز کرنا ہے۔

عقل و شعور کے علاوہ وہ چیز جو انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کی زبان ہے۔ زبان ہی کسی چیز کے ابلاغ کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے۔ تاریخ انسانی کا یہ مسلمہ امر ہے کہ زبان انسان کی ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جس کے بغیر زندگی حیوانات جیسی ہو جائے۔ اسی لیے انسان حیوان ناطق کہلاتا ہے۔

قوم اجتماعی طور پر جس زبان میں سوچتی ہے، اسی میں وہ اپنا مافی الضمیر بہترین انداز میں بیان کر سکتی ہے۔ یہی زبان افراد قوم کے اندر ایک روحانی اور اجتماعی احساس کا جذبہ پیدا کر سکتی ہے۔ زبان کے الفاظ اور جملے خوشی، سکون اور بے قراری کی حالت میں ان کے دلوں کی عکاسی کرتے ہیں۔

ابلاغ کی تعریف

”ابلاغ“ باب افعال کا مصدر ہے، اس کا مادہ (ب، ل، غ) ہے۔ جس کا لفظی معنی ”پہنچ جانا“ ہے۔ جبکہ ابلاغ اور تبلیغ کا معنی ”پہنچا دینا“ ہے۔^۱ اصطلاح میں ابلاغ اس عمل کو کہتے ہیں جس کے ذریعے خیالات و جذبات اور افکار و نظریات کے اظہار کو ممکن بنایا جاسکے، یا جس کے ذریعے پیغامات کی ترسیل کو ممکن بنایا جاسکے۔

ابلاغ کی اقسام

❖ ابلاغ لفظی یا زبانی

❖ ابلاغ غیر لفظی

زبانی ابلاغ زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں الفاظ کے ساتھ لہجے سے بھی ابلاغ ہو جاتا ہے، مگر اگر یہی الفاظ صفحہ قرطاس پہ منتقل کر دیے جائیں تو لہجہ اپنا رنگ کھودیتا ہے۔

انسان ابھی تک کوئی ایسا ذریعہ ابلاغ ایجاد نہیں کر پایا، جس کی مدد سے وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر پائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ عجز اُس مخلوق کا خاصہ ہے جس کی تعریف ہی ”حیوان ناطق“ سے کی جاتی ہے، جسے اپنی قوتِ گویائی پر بہت ناز ہے۔ اپنے اسی عجز کا ازالہ کرنے کے لیے وہ اپنی گفتگو میں مجاز، تمثیل، تشبیہات اور استعارے وغیرہ کا بکثرت استعمال کرتا ہے تاکہ اپنی بات مخاطب تک اپنے مافی الضمیر کے احساس کے قریب قریب تک پہنچا سکے۔ مثال کے طور پر ایک سادہ سوالیہ جملہ اپنے اندر ایک معنی کا جہان لیے ہوتا ہے لیکن جو نہی یہ صفحہ قرطاس پر منتقل ہوتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے گویا اس میں سے روح نکال لی گئی ہو۔ مزید ستم یہ ہے کہ لہجہ اور تاثرات بھی ایک خاص حد تک ہی اپنا مدعا بیان کر پاتے ہیں، الفاظ میں سچائی ہے یا نہیں، منافقت ہے یا خلوص، نیت تک رسائی، لہجے اور تاثرات کے بس سے بھی باہر ہے۔

الفاظ کا ساتھ اگر لہجہ اور تاثرات دے رہے ہوں تو سادہ سوالیہ جملہ تضحیک، تحقیر، طنز، تعجب، اقرار، انکار، حسرت، ڈانٹ ڈپٹ اور نجانے کون کون سے پہلو اپنے اندر سموئے ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو اور صرف قرطاس کے توسط سے یہ الفاظ ذہن میں منتقل ہو رہے ہوں تو کیا خود الفاظ کے اندر ایسی صلاحیت موجود ہے کہ اپنے اندر کے جہانِ معنی کو اس خوبی کے ساتھ اپنے قاری کو منتقل کر دیں کہ پڑھنے والا ان کی اسی طرح تحسین کر سکے گویا کہ وہ متکلم کے روبرو بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اگر ان الفاظ کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کر دیا جائے تو ابلاغ کی وہ طاقت جو بیان سے الفاظ کی صورت میں پہلے ہی بہت کم رہ گئی تھی، ترجمہ کرتے وقت کلام کی تاثیر نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے۔ جیسے غالب کا شعر ہے:

جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا

کریدتے ہو جو اب راہ، جستجو کیا ہے²

دوسرے مصرعے میں ”کیا ہے“ دراصل سوال نہیں، بلکہ طنز کا تیر ہے، جو اس سوال کے پیرائے میں مضمر ہے۔

انسان کے اسی عجز کے باعث قرآن پاک اپنے ابلاغ کے لیے زبان کے ایسے اسلوب اختیار کرتا ہے، جن کے ذریعے اس کا بیان قاری کے سامنے اسی انداز میں پیش ہوتا ہے گویا وہ متکلم کے سامنے بیٹھا ہے اور لب و لہجہ کی غیر موجودگی میں الفاظ کا چناؤ ایسا ہوتا ہے گویا الفاظ متکلم سے براہ راست صادر ہو رہے ہوں۔ صرف سادہ سوالیہ

جملہ کو قرآن پاک میں اتنے تنوع کے ساتھ لایا گیا ہے کہ اگر ان الفاظ کے اندر چھپے ہوئے لہجے کے تاثرات کو کھینچ کر باہر نہ نکالا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے گویا الفاظ تو موجود ہیں لیکن بے جان اور بے حس و حرکت۔ قرآن پاک کے سوالیہ جملہ میں ”طنز و تحقیر“ کس طرح مضمحل ہوتا ہے اس مثال سے واضح ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے:

وَقَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ³

”اور وہ کہتے ہیں کہ ان کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف گنتی کے چند دن۔ آپ پوچھئے کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے کہ اللہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے بارے میں کوئی ایسی بات کر رہے ہو جس کا تمہیں کچھ علم نہیں۔“

الفاظ میں طنز کی کاٹ نے جملے کے سوالیہ انداز کو مزید نمایاں کر کے رکھ دیا ہے کہ کیا اللہ نے تم سے کوئی معاہدہ کر رکھا ہے کہ تم جو کچھ مرضی کرتے رہو، تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ سادہ سوالیہ انداز کے ترجمہ میں مدعا مکمل ادا نہیں ہو سکتا تھا۔

قرآن پاک کے اسلوبِ ابلاغ کی نظائر

سطور ذیل میں قرآنی اسلوبِ ابلاغ کی چند نظائر پیش کی جا رہی ہیں:

۱۔ تخیل و تجسیم

قرآن پاک میں بیشتر مقامات پر تعبیر و بیان کے لیے تصویر کشی کے طریقہ کو اختیار کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ایسی کئی امثلہ موجود ہیں۔ ان میں سے چند ایک ذکر کی جا رہی ہیں۔

(الف) سورۃ التکویر کی آیت نمبر 18 میں صبح کو سانس لیتے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے۔

وَ الصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ⁴

”اور صبح کی قسم جب وہ نمودار ہوتی ہے۔“

اس آیت کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ صبح ایک جاندار چیز ہے جو سانس لے رہی ہے، اس کے دانت سانس لینے کی وجہ سے نظر آرہے ہیں اور یہ زندگی صرف صبح ہی میں نہیں بلکہ اس کی وجہ سے کون و مکان کی ہر چیز میں سرایت کرتی جا رہی ہے۔

(ب) سورة الاعراف کی آیت نمبر 54 میں رات کو چلتے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے۔

يُعْثِي الْيَلَّ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا⁵

وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے جبکہ (ان دونوں میں سے ہر ایک) ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑتا چلا جاتا ہے۔

شب و روز کی اس دائمی گردش کے ساتھ جس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء، انسانی تخیل بھی گردش کرنے لگتا ہے۔ اس آیت میں رات کو چلتے ہوئے ظاہر کیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن کا اسلوبِ ایجاز

قرآن میں ایک اسلوبِ ایجاز کا بھی ہے کہ ایک چیز کو بہت تھوڑے اور مختصر ترین الفاظ میں اس طرح بیان کر دیا جائے کہ پڑھنے والا جتنا غور کرنا چاہے اس کے نئے نئے مطالب اس کے سامنے آتے جائیں۔ مثال کے طور پر ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کے غلط عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ گفتگو کا سیاق اور سابق یہ ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت مریم کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور بیوی مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ توحید کے اسلامی تصور کے خلاف ہے۔ وہ انسان ہونے کی حیثیت سے کیسے الوہیت کے حامل ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس عقیدہ کے جواب میں لمبے چوڑے دلائل اور تفصیلات میں جانے کے

بجائے صرف اتنا کہنے پہ اکتفاء کیا:

كَأَنَّا يَاكُلْنَ الطَّعَامَ⁶

وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔

اب آپ غور کریں تو واضح ہو گا کہ یہ مختصر جملہ اس عقیدہ کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ ظاہر ہے جس کو کھانے کی ضرورت ہوگی وہ زمین اور آسمان کی ہر چیز کا محتاج ہوگا۔ زمین اور آسمان کی بے شمار چیزوں کی محتاجی کے بغیر

ایک وقت کی روٹی ہمارے پیٹ میں نہیں جاسکتی۔ ہم سورج کے محتاج ہیں کہ وہ نکل کر غلہ کو پکا دے۔ غلہ اس وقت تک نہیں پک سکتا جب تک سورج نہ نکلے اور سورج کا وجود ممکن نہیں ہے، جب تک پورا نظام کہکشاں موجود نہ ہو۔ سورج ہو اور پانی نہ ہو تب بھی گندم نہیں پک سکتی۔ پانی کی فراوانی کے لیے بادلوں اور بارشوں کا پورا نظام چلایا گیا۔ چنانچہ انسان ان سب کا بھی محتاج ہوتا ہے۔ پھر گندم کو پکانے کے لیے آگ کا محتاج ہے۔ گویا آگ، پانی، دریا، سورج، ہوا، بادل، غرض کوئی شے ایسی نہیں کہ جس کا انسان محتاج نہ ہو۔ توجو شخص اپنی دو وقت کی روٹی کے لیے پوری کائنات کا محتاج ہو وہ اس کائنات کا خالق و مالک کیسے ہو سکتا ہے؟ خالق بھی ہو اور مخلوق کا محتاج بھی ہو! یہ ہو نہیں سکتا۔ اس لیے اس ایک جملہ نے کہ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے، اس پورے سلسلہء استدلال کو جسے آپ گھنٹوں میں بھی بیان نہ کر سکیں ایک جملہ میں بیان کر دیا۔ یہی قرآن کا اسلوبِ ایجاز ہے جو کہ ابلاغ میں نہایت مفید ہے۔

۳۔ قرآن کا اسلوبِ حذف

قرآن مجید زبان و بیان کے اعتبار سے ایک معجزہ اور بلاغت کا ایک شاہکار ہے۔ بلاغت کا ایک پہلو یہ ہوتا ہے کہ جو بات مخاطب پر بالکل واضح ہو اور سیاق و سباق کی بنا پر جس کا سمجھنا کسی ذہین قاری کے لیے کچھ مشکل نہ ہو اسے بیان نہ کیا جائے۔ یوں کم سے کم الفاظ میں نہ صرف مدعا بیان ہو جاتا ہے بلکہ اس حذف کو کھولنے کے لیے جب مخاطب اور قاری اس بارے میں خاص طور پر سوچتا ہے تو اس کی تمام تر توجہ اسی سمت میں مبذول ہو جاتی ہے جس کی طرف متکلم نے توجہ دلانا چاہی تھی۔ یعنی کمال یہ ہوتا ہے کہ نہ بول کر وہ کہہ دیا جاتا ہے جو بیان کر کے بھی اس طرح قابل توجہ نہ ہوتا۔ یہ حذف کا اسلوب کہلاتا ہے جس میں جملہ بظاہر ادھورا نظر آتا ہے مگر بات کمال بلاغت کے ساتھ مخاطب تک پہنچ جاتی ہے۔ اس اسلوب کی ایک مثال سورہ رعد کی آیت نمبر 31 ہے۔

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمًا بِهِ الْمُؤْتِنُ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ
جَمِيعًا⁷

”اور اگر ایسا قرآن اترتا جس سے پہاڑ چلنے لگتے، یا اس سے زمین ٹکڑے ہو جاتی یا اس سے مردے بولنے لگتے۔ بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کے لیے ہے۔“

اس سادہ ترجمے کے ساتھ یہ آیت بظاہر ایک ناقابل فہم اور نامکمل بات بیان کرتی ہے۔ آیت ’اگر‘ کے شرطیہ لفظ سے شروع تو ہوتی ہے، مگر جملے میں جواب شرط کہیں موجود نہیں۔ مثلاً اردو میں ہم کہتے ہیں اگر تم محنت کرو گے تو تب ہی امتحان میں کامیاب ہو گے۔ اس جملے میں ”تب ہی“ اور اس کے بعد کا جملہ ہٹا دیا جائے تو یہ ایک نامکمل بات رہ جائے گی۔ ”اگر“ سے شروع ہونے والے ہر جملے کا معاملہ یہی ہوتا ہے۔ یہی قرآن مجید کی اس آیت میں بھی ہوا ہے۔ اس لیے زبان و بیان کا ذوق رکھنے والا ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس شرطیہ جملے کے جواب میں جو کچھ آنا چاہیے تھا وہ حذف کر دیا گیا ہے۔

اس حذف کو درست طور پر کھولنے کے لیے ضروری ہے کہ قاری قرآن مجید کی اس آیت کو اس کے سیاق و سباق میں رکھ کر پڑھے۔ جب ایسا کیا جائے گا تو محذوف جملہ بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے گا۔ جیسا کہ اس آیت کا سیاق و سباق اور سورت کا نظم یہ بتاتا ہے کہ زیر بحث معاملہ یہ ہے کہ کفار مکہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں قرآن مجید کی ہدایت سے روشنی حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ عقل و فطرت کی کوئی دلیل بھی ماننا نہیں چاہتے بلکہ ان کا مطالبہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی صداقت کے نشان کے طور پر ان کو کوئی معجزہ دکھائیں۔⁸

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تمہیں ایک ایسی امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بھی کئی امتیں گزر چکی ہیں۔ قرآن مجید کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ پچھلی امتوں میں جب ان کے رسول آئے اور انہیں دعوت حق دی تو انہوں نے بھی ان کفار کی طرح نئے نئے معجزات طلب کرنا شروع کر دیے تھے۔ ان اقوام کی فرمائش پر جب انہیں مطالبات دیے گئے تو انہوں نے ان معجزات کو دیکھنے کے باوجود ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ مثال کے طور پر قوم ثمود کی فرمائش پر ایک اونٹنی کو معجزانہ طریقے پر پیدا کیا گیا، مگر انہوں نے ماننے کے بجائے اس اونٹنی ہی کو مار ڈالا۔ چنانچہ اس پس منظر میں درست ترجمہ یہ ہو گا:

”اگر کوئی قرآن ایسا اترتا جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس سے زمین شق کی جاتی یا اس سے مردے بلوائے جاتے (تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے)۔ تاہم اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے۔“^۹

یہ ذہن میں رہے کہ اس آیت کے مخاطب اہل ایمان ہیں، جن کا خیال تھا کہ اگر کوئی نشانی دکھائی جائے تو شاید یہ کفار ایمان لے آئیں۔ مگر حذف کے اس اسلوب میں ان تک یہ بات پوری بلاغت کے ساتھ پہنچادی گئی کہ کوئی معجزہ بھی دکھایا جائے، یہ کفار ماننے والے نہیں ہیں۔ چنانچہ آیت کے اگلے حصے میں یہ بات بالکل کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔

۴۔ قرآن کریم اور واقعہ نگاری

یہ امر پیش نظر رہے کہ قصہ گوئی قرآن میں مقصود بالذات نہیں، یہی وجہ ہے کہ واقعہ نگاری میں افسانہ نویسی کا خاص اسلوب مد نظر نہیں رکھا گیا بلکہ قرآن پاک نے جس طرح دینی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے دیگر وسائل کو اختیار کیا ہے اسی طرح واقعہ نگاری بھی انہی ذرائع میں سے ایک ہے۔ قرآن کا یہ اسلوب بھی دینی مقاصد کے تابع ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ واقعات کو پیش کرنے میں ان کی فنی خصوصیات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے بلکہ دینی مقاصد کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ قرآنی واقعات فنی خصوصیات کے بھی حامل ہیں۔ خصوصاً قرآنی تعبیر و بیان کی عظیم خصوصیت یعنی منظر نگاری تو اس کا لازمی خاصہ ہے۔ اس گفتگو کی مزید جزئیات پہ خامہ فرسائی کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی واقعہ نگاری کے اہم اغراض و مقاصد سے آگاہی حاصل کی جائے، لہذا ذیل میں قرآنی واقعہ نگاری کے اغراض و مقاصد کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قرآنی واقعہ نگاری کے اہم اغراض و مقاصد

قرآن میں واقعات خالص دینی مقاصد و غایات کو پورا کرنے کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔ ان مقاصد کا دائرہ بڑا وسیع ہے مثلاً وحی و رسالت کا اثبات، توحید، وحدت ادیان، انذار و تبشیر اور دیگر اغراض و مقاصد جن کو پورا کرنے کے لیے قرآن میں واقعہ نگاری سے کام لیا گیا ہے۔

(الف) اثباتِ وحی و رسالت

قرآن کریم میں واقعات بیان کرنے کا ایک مقصد اثباتِ وحی و رسالت ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ موجودہ اصطلاح میں لکھے پڑھے نہ تھے۔ ایسا بھی نہ تھا کہ آپ نے یہود و نصاریٰ کے علماء سے استفادہ کیا ہو۔ اس کے باوصف قرآن میں واقعات بیان کیے گئے اور بعض واقعات تو خاصی تفصیل کے ساتھ مذکور ہوئے۔ حتیٰ کہ ان کی جزئیات تک بیان کی گئیں جیسے حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم علیہم السلام کے واقعات۔ قرآن میں ان واقعات کا موجود ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعات وحی کے ذریعے حضور ﷺ کو بتائے گئے، جو کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہیں۔

(ب) وحدتِ ادیان

قرآن میں قصہ گوئی کا ایک مقصد اس حقیقت کا کشفِ اظہار بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک جملہ ادیان و شرائع من جانب اللہ ہیں۔ تمام اہل ایمان امتِ واحدہ ہیں اور خدائے واحد سب کا پروردگار ہے۔ چونکہ وحدتِ ادیان کا ذکر و بیان دعوتِ اسلام کی اساسی غرض و غایت ہے، اس لئے انبیاء کے واقعات الفاظ کے اختلاف کے ساتھ اور تکرار کے ساتھ قرآن میں کئی جگہ بیان کیے گئے ہیں تاکہ یہ حقیقت اچھی طرح جاگزیں ہو جائے۔

(ت) انبیائے کرام کی کامیابی اور کمزورین کی تباہی و ہلاکت

قرآن میں قصہ گوئی کا ایک مقصد انبیاء کے مشن کی کامیابی اور کمزورین کی ہلاکت و بربادی کا ذکر و بیان بھی ہے تاکہ نبی اکرم ﷺ کے لیے وجہ اطمینان ہو اور جن لوگوں کو آپ دعوتِ ایمان دے رہے ہیں وہ بھی اس سے متاثر ہوں۔

(ج) تبشیر و تحذیر کی تصدیق

قرآن میں واقعات بیان کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اہل ایمان کو جنت اور اس کے انعامات کی جو بشارت دی گئی ہے اس کی تصدیق کی جائے اور اسی طرح کفار کو جو جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اس کی تصدیق بھی مطلوب ہے۔

(د) انبیاء و اصفیاء پر انعاماتِ ربانی کا تذکرہ

قرآن میں انبیاء و اصفیاء کے واقعات اس لیے بیان کیے گئے ہیں تاکہ ان پر جو انعاماتِ ربانی ہوئے تھے ان پر روشنی ڈالی جائے۔ جیسا کہ حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے۔ اس کا ایک مقصد تحریض نفسی بھی ہے تاکہ اصفیاء کے اعمال کو اپنا کر ان انعامات سے استفادہ ممکن ہو سکے۔

تکرارِ واقعات کی حکمت

یہ واقعات قرآن پاک میں بار بار اور ایک سے زائد جگہوں پر بیان ہوئے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان واقعات کا مقصد محض تذکیر و یاد دہانی ہے یا اس کی کچھ اور حکمتیں بھی ہیں؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے جب علوم کے بحرِ ذخار میں غواصی کی جائے تو تکرارِ واقعہ کی یہ حکمتیں آشکار ہوتی ہیں:

(الف) اس تکرار سے قرآن کی اعلیٰ درجے کی بلاغت اور انسانی طاقت سے ماوراءِ فصاحت کا اظہار ہوتا ہے۔ قرآن میں جس کسی قصے کی بھی تکرار ہوئی ہے، ہر جگہ اسلوبِ بدلا ہوا ہے، الفاظ مختلف ہیں، سیاق و سباق جدا ہیں اور قصے کے صرف انہی پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے جو اس مقام پر ضروری محسوس ہوتے ہیں، بقیہ اجزاء سے یا تو صرف نظر کیا گیا گیا ہے یا ان کی طرف اشارات کر دیے گئے ہیں۔ اس سے قرآن پاک کا اعجاز کھل کر سامنے آجاتا ہے جو قرآنی ادب کے مقاصد میں تو نہیں لیکن اس کے لوازم میں ضرور شامل ہے۔

(ب) ان تکرار سے جن معانی کو ذہن نشین کرنا مقصود ہوتا ہے، وہ اچھی طرح ذہن و دماغ میں رچ بس جاتے ہیں کیونکہ تکرار سے تاکید و توضیح کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

۵۔ قرآن کا اسلوبِ تکرار

قرآن کے ایک عام قاری کو اس کے مطالعہ کے دوران ایک الجھن یہ محسوس ہوتی ہے کہ اسے اس کتاب میں بظاہر کوئی منطقی ترتیب نظر نہیں آتی۔ قرآن کے صفحات میں وہ دیکھتا ہے کہ اعتقادی مسائل، اخلاقی ہدایات، شرعی احکام، دعوت و نصیحت، تنقید و ملامت، تحویف و تبشیر، دلائل و شواہد، تاریخی قصے اور آثارِ

کائنات وغیرہ کی طرف اشارے بارہا ایک دوسرے کے بعد آرہے ہیں اور ایک ہی مضمون کو مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ اور مختلف انداز میں دہرایا جا رہا ہے۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ قرآن کوئی فلسفیانہ کتاب نہیں ہے، نہ ہی وہ اس قسم کا تحقیقی مقالہ ہے جسے ایک ریسرچ اسکالر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے کے لیے تیار کرتا ہے بلکہ یہ ایک دعوت اور ایک تحریک ہے۔ جس کے مختلف مراحل اور تقاضوں کے مطابق اس کی آیات جستہ جستہ نازل ہوتی چلی گئی ہیں اور ہر مرحلے کی ضروری ہدایات اور احکامات نئے الفاظ، نئے اسلوب اور نئی آن بان سے نازل ہوتے رہے ہیں تاکہ ساری باتیں نہایت خوش گو اور طریقے سے دلوں میں بیٹھ جائیں اور دعوت کی ایک ایک منزل اچھی طرح مستحکم ہوتی چلی جائے اور بنیادی عقائد اور اصول پہلے قدم سے آخری منزل تک کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں بلکہ ان کا اعادہ اور تکرار دعوت کے ہر مرحلے میں ہوتی رہے۔¹⁰

جو لوگ قرآن کے اس انداز سے ناواقف ہیں، وہ اس کی ادبی نزاکتوں اور معنوی گہرائیوں تک نہیں پہنچ پاتے، اسی لیے انہیں قرآن میں بس تکرار ہی تکرار نظر آتی ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے اس بات کا اظہار بھی کیا ہے۔¹¹ حقیقت یہ ہے کہ قرآن تکرار محض سے پاک ہے اور قرآن پر تدبر کرنے والے جانتے ہیں کہ مضامین کی یہ تکرار مختلف لواحق و تضمنات کے ساتھ اس لیے ہوتی ہے تاکہ اس کی بات ہر طالب ہدایت کے ذہن نشین ہو جائے اور منکرین حق کے لیے قیل و قال کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ مثال کے طور پر سورۃ رحمن میں ایک ہی جملہ بار بار دہرایا گیا ہے:

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ¹²

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

یہاں دیکھا جاسکتا ہے کہ اس سورۃ کی ایک ایک ترجیع اپنے محل میں اس طرح جڑی ہوئی ہے جس طرح انگشتری میں نگینہ ہوتا ہے۔ یہاں منکرین حق کو ایک نئے اور اچھوتے اسلوب میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ یہ اللہ کی رحمانیت ہے کہ اس نے تمہاری تعلیم کے لیے قرآن اتارا۔ تمہاری فطرت کا تقاضا یہ تھا کہ اس پر لبیک کہتے اور عذاب کا انتظار کرنے کے بجائے اس سے ہدایت حاصل کرتے لیکن یہ تمہاری بد بختی ہے کہ تم اس

نعمت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کوئی نئی نشانی دیکھنے کے لیے مچل رہے ہو۔ اگر کوئی نشانی ہی مطلوب ہے تو آسمان و زمین اور آفاق و انفس کی نشانیوں پر کیوں غور نہیں کرتے جو ہر روز تمہارے مشاہدے میں آتی ہیں اور تمہیں انہی حقائق کا درس دیتی ہیں جن کی دعوت قرآن دے رہا ہے۔ ان نشانیوں کی موجودگی میں کسی نئی نشانی کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے بعد آسمان و زمین کی ایک ایک نشانی کی نشاندہی کرتے ہوئے توجہ دلائی ہے کہ یہ نشانیاں نہیں ہیں تو کیا ہیں، آخر اپنے رب کی کن کن نشانیوں کو جھٹلاتے رہو گے؟

مثال کے طور پر اس سورت کی پہلی ترجیع منعم کی شکر گزاری اور اس کے حقوق کی ادائیگی پر ابھارتی ہے اور جو لوگ تکذیب پر تلے ہوئے ہیں ان کی سرزنش کرتی ہے کہ ہر قدم پر تمہارے سامنے تمہارے رب کی وہ نعمتیں موجود ہیں جو تمہیں مسئولیت کا احساس دلا رہی ہیں لیکن تم انکار کیے جا رہے ہو تو اس کی کن کن عنایتوں کی تکذیب کرو گے؟

دوسری ترجیع میں (آیت ۱۴ سے ۱۶) انسانی خلقت کے مختلف مراحل سے جزا و سزا پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس طرح اس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا اسی طرح دوبارہ پیدا کرے گا۔ تم اپنی خلقت اول کی تردید اور انکار نہیں کر سکتے اسی طرح خلقت ثانی سے انکار کی بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

تیسری ترجیع میں (آیت ۱۷ سے ۱۸) خدا کی عظمت و شان کے حوالے سے دلیل فراہم کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جس خدا کی عظمت و شان کا حال یہ ہے کہ مشرق و مغرب سب اس کے زیر نگیں ہیں اگر اس کے انذار کو ہوائی سمجھتے ہو تو آخر اس کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے؟

اس طرح پوری سورت میں ہر ترجیع اپنے موقع و محل میں موزوں ہے اور ہر نئی دلیل کے بعد تذکیر و تنبیہ اور سرزنش موجود ہے۔

اسی طرح سورۃ المرسلات میں ایک آیت کا دس بار تکرار ہے:

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ¹³

تباہی ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔

یہاں خطاب ان ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں سے ہے جو ایک واضح حقیقت کو محض انانیت اور مکاہرت کی وجہ سے جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے کان اور آنکھیں کھولنے کے لیے ضروری تھا کہ صرف دلائل بیان کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ہر دلیل کے بعد بطور تنبیہ ان کے جرم اور انجام سے آگاہ بھی کر دیا جائے۔ اس سورۃ میں ہر دلیل کے بعد اس مختصر ترین جملے کے ذریعہ منکرینِ آخرت کو زبردست دھمکی دی ہے۔ اس اختصار و ابہام کے اندر جو ہولناکی مضمر ہے وہ بڑی سے بڑی تفصیل کے اندر بھی نہیں سما سکتی۔¹⁴

اس سورت میں پہلی ترجیع فطرت کے عام احوال و معاملات سے استدلال کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ پہلے ہواؤں کے تصرفات سے استدلال کیا ہے کہ منکرینِ حق کو اپنی قوت و سطوت پر ناز نہ ہونا چاہیے، اللہ عذاب لانا چاہے تو اسے کوئی بڑا اہتمام نہیں کرنا پڑے گا بلکہ ہوا جو بارش لاتی ہے، اسی میں ذرا سے تصرف سے چشمِ زدن میں انسانی آبادی کا نام و نشان مٹ سکتا ہے۔

پھر قیامت کے ہلچل کی تصویر بیان کی ہے اور آخر میں ترجیع کے بند کے ذریعہ منکرین و مکذبین کو ان کے انجام سے بھی ڈرایا گیا ہے۔ اس کے بعد کلام نے اپنا رخ بدلا اور آفاق سے استدلال کرتے ہوئے گزرے ہوئے واقعات اور تاریخ کے آثار سے شہادت پیش کی گئی اور پچھلی قوموں کی تباہی و ہولناکی بیان کر کے ترجیع کی آیت دوبارہ لا کر منکرینِ حق کو ان کے اپنے انجام سے ڈرایا گیا۔

اس کے بعد انسان کی خلقت کے مختلف مراحل بیان کر کے منکرین کو دعوتِ فکر دی گئی ہے۔ اس کے بعد وہی آیت ترجیع ہے اور اس کا موقع یہ ہے کہ دوبارہ پیدا کیے جانے پر جو شبہات وارد کیے جا رہے ہیں ان کی تردید کے لیے تو خود ان کی خلقت ہی کافی ہے۔ ایک دن وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور وہ جھٹلانے والوں کے لیے بڑی خرابی کا دن ہو گا۔ پھر کائنات سے استدلال کیا گیا ہے اور انسان کی پرورش و پرداخت کے اہتمام کے ذریعہ جزا و سزا پر دلیل فراہم کی گئی ہے اور پھر آیتِ ترجیع۔ اس طرح پوری سورت میں ہر جگہ ترجیع کی یہ آیت ایک خاص مفہوم رکھتی ہے۔

۶۔ عود علی البدء

یہ قرآن پاک کا ایک اہم اسلوب ہے۔ یعنی کلام کا آغاز جس چیز سے ہوا ہو اسی پر کلام کا خاتمہ بھی کرنا، تاکہ اس مضمون کی افادیت و اہمیت دلوں پر نقش ہو جائے اور سامع اسے فراموش نہ کر سکے۔ بیچ میں کسی خاص مناسبت اور تقریب سے کچھ مزید چیزیں اور بحثیں بھی آجاتی ہیں جن پر بقدر ضرورت روشنی ڈال دی جاتی ہے، پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کر کے پوری گفتگو سمیٹ دی جاتی ہے۔ سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں مومنین کی صفات شمار کی گئی ہیں اور اس کی ابتداء نماز سے کی گئی ہے۔ فرمایا گیا:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ . الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَشِعُونَ¹⁵

یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

درمیان میں مختلف صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں پھر اسی صفت کا اعادہ کیا گیا:

وَ الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ¹⁶

”اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔“

مقصد نماز کو نیکیوں کا منبع اور ان کا محافظ ثابت کرنا ہے۔ اس امر پر زور دینا ہے کہ نماز ہی سے نیکی کی

شروعات ہوتی ہے اور نماز ہی سے ان کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں دین کی بنیادی اخلاقیات بیان ہوئی ہیں۔ ان میں والدین کے حقوق، رشتہ داروں اور مسکینوں کے حقوق، کنجوسی اور فضول خرچی سے اجتناب، قتل اولاد کی ممانعت، زنا، قتل، یتیموں کا مال کھانا، ناپ تول میں کمی کرنا اور زمین پر تکبر وغیرہ کرنا، ان سب سے روکا گیا ہے لیکن ان سارے اوامر و نواہی کی ابتداء توحید سے ہوئی ہے اور سب سے پہلے توحید پر زور دیا جاتا اور شرک سے روکا جاتا ہے۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْدُومًا¹⁷

”تو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا، ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا۔“

اور اس اخلاقی درس کی انتہا بھی شرک سے اجتناب کی اسی تعلیم پر ہوتی ہے۔ اس اخلاقی درس کے آخر میں فرمایا جاتا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا¹⁸

”اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ، ورنہ تجھے جہنم میں ڈالا جائے گا ملامت زدہ اور راندہ درگاہ ہو کر۔“

یہاں یہ حقیقت ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ ان تمام بھلائیوں سے وابستگی اور ان تمام حقوق کی ادائیگی توحید ہی سے ممکن ہے۔ جو شخص توحید کی اس تعلیم پر قائم رہے گا، وہی ان تمام حقوق کو ادا کر سکتا ہے اور ان اخلاقیات کا پابند رہ سکتا ہے۔ اسی سے ان فضائل کی ابتداء اور اسی پر ان کی انتہا بھی ہوتی ہے۔

۷۔ علی سبیل المشاکلہ

عربی ادب کا ایک عام اسلوب یہ ہے کہ کبھی کبھی بعض الفاظ محض مجانست اور صوتی ہم آہنگی کی وجہ سے استعمال ہو جاتے ہیں۔ ان کا مفہوم ان کے لغوی معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ موقع و محل سے متعین ہوتا ہے۔ اس اسلوب کی مثال سورۃ شوریٰ کی آیت 40 ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَزَاءٌ سَلِيئَةٌ سَلِيئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ
الظَّالِمِينَ¹⁹

”برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔“

یہاں کسی برائی کے جواب میں جو اقدام کیا جائے اسے بھی برائی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ برائی کا جواب دینا اور انتقام لینا جائز ہے بشرطیکہ حد سے تجاوز نہ ہو لیکن اسے بھی برائی کہنا محض لفظی مجانست اور صوتی ہم آہنگی کی وجہ سے ہے۔ یعنی اہل ایمان کسی برائی کے جواب میں اتنی ہی کاروائی کرتے ہیں جو برائی کے ہم وزن ہو۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔

۸- تشریف

اس لفظ کے لغوی معنی گردش دینے اور ہیر پھیر کر بیان کرنے کے ہیں۔ قرآن پاک کا ایک اہم اسلوب یہ ہے کہ وہ آیتوں کو الٹ الٹ کر مختلف زاویوں سے بیان کرتا ہے۔ اس کے لیے اس نے تشریف آیات کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مضمون مختلف سورتوں میں بار بار آتا ہے لیکن ہر جگہ ایک ہی پیش و عقب اور ایک ہی قسم کے لواحق و تضمنات کے ساتھ نہیں آتا بلکہ ہر جگہ اس کے اطراف و جوانب اور اس کے تعلقات و روابط بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ مقام کے لحاظ سے اس میں مناسب حال تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ایک ہی چیز کبھی مرکزی مضمون کی حیثیت سے آتی ہے کبھی ضمنی مضمون کی حیثیت سے، کبھی وہی چیز اجمال کے ساتھ آتی ہے کبھی تفصیل کے ساتھ۔ کبھی ایک چیز مقدم ہوتی ہے کبھی موخر، کبھی تنہا ہوتی ہے کبھی اپنے مقابل کے ساتھ، کبھی کسی چیز کے ساتھ اس کا جوڑ ہوتا ہے کبھی کسی چیز کے ساتھ۔ بالکل یکساں مضمون، مختلف سورتوں میں مختلف ترتیبوں کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ایک ہی شے اپنے مختلف پہلوؤں سے جلوہ گر ہوگی تو اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے اور پوری طرح پہچاننے میں دقت نہ ہوگی۔ اگر ایک ادانگاہ سے چوک گئی تو دوسرا جلوہ سامنے آجائے گا۔ قرآن پاک نے خود بھی اس تشریف کا مقصد یہی بتایا ہے تاکہ لوگ سمجھ سکیں اور اس کی آیات پر غور کر سکیں۔ فرمایا:

أَنْظُرْ كَيْفَ نَصَرَفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ²⁰

دیکھو، کس کس طرح ہم اپنی آیتیں مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔

اس آیت کے سیاق و سباق پر غور کرنے سے تشریف کی حقیقت بالکل آشکار ہو جاتی ہے۔ کہا یہ جا رہا ہے کہ انسان کا عجیب حال ہے کہ جب کسی آفت میں گرفتار ہوتا ہے تو گڑ گڑا کر بھی اور دل میں چپکے چپکے بھی خدا ہی کو پکارتا ہے لیکن جب اس سے نجات پا جاتا ہے تو پھر ناشکری و نافرمانی کی وہی زندگی اختیار کر لیتا ہے جس میں پہلے مبتلا تھا یہاں تک کہ اگر خدا کی پکڑ سے اسے ڈرایا جاتا ہے تو ڈھیٹ ہو کر عذاب کا مطالبہ کر بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو کس طرح ہم اپنی قدرت کی نشانیاں اور اپنے اختیار و تصرف کی دلیلیں مختلف

اسلوبوں سے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ اسے یہ سمجھیں لیکن یہ سمجھنے کے بجائے ہمارا اعذاب ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی سورت میں ذرا پہلے اسی بات کو یوں کہا گیا ہے:

أَنْظُرْ كَيْفَ نَصَرَفْنَا آيَاتِنَا ثُمَّ هُمْ يَصَدِفُونَ²¹

دیکھو، کس کس طرح ہم اپنی آیتیں مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں، پھر بھی وہ اعراض کر رہے ہیں۔

۹۔ تخلص

اس اسلوب کو اردو شاعری کی اصطلاح میں گریز کہا جاسکتا ہے۔ یعنی بات میں سے بات پیدا کرنا، ایک مضمون بیان کرتے کرتے بیچ میں کوئی موقعہ کی ہدایت و نصیحت یا واقعہ بیان کر کے اصل موضوع کی طرف پلٹ آنا، اسی کو انتقال من فن الی فن بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اسلوب بڑی مہارت اور حسن بلاغت کا متقاضی ہے۔ مضمون کا رخ تھوڑے سے وقفہ کے بعد پھر اسی اصل مواد کی طرف پلٹا دیا جائے اور یہ تھوڑا سا عرصہ اس طرح نکالا جائے اور اصل مضمون سے اس کا تعلق اس طرح جوڑ دیا جائے کہ درمیان میں کوئی بے ربطی کسی قسم کا جھول اور کوئی بیگانگی پیدا نہ ہو۔

سورہ مومنوں میں ابتدائاً اہل ایمان کی فلاح اور حق کی تکذیب کرنے والوں کے خسران کے اعلان سے ہوتی ہے، جس میں خدا کی ربوبیت کے شواہد سے جزا و سزا پر استدلال بھی شامل ہے اور یہ سلسلہ آیت نمبر 23؛ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ²² ”اور ان (جانوروں) پر اور کشتیوں پر سواری بھی کرتے ہو“ پر ختم ہوتا ہے۔ آگے مکذبین کے خسران اور مومنین کی فلاح پر تاریخی شواہد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا تذکرہ ہوتا ہے جو تاریخی تقدیم کے اعتبار سے بھی رسولوں کی سرگزشت کا سرنامہ ہے اور خاص طور پر کشتی ہی کو ان کی اور ان کے ساتھیوں کی نجات کا اللہ تعالیٰ نے ذریعہ بنایا۔ کشتی کے ذکر کے بعد اس کشتی والے کے واقعہ کا ذکر اس طرح آگیا ہے گویا بات میں سے بات پیدا ہو گئی ہے۔ فرمایا: اور ان (جانوروں) پر اور کشتیوں پر سواری بھی تم کرتے ہو۔ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔

سورہ نحل کی مندرجہ ذیل آیات بھی اس اسلوب کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں:

”اس نے جانور پیدا کئے جس میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمہارے لیے جمال ہے، جبکہ تم انہیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جبکہ شام انہیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے لیے بوجھ کو اٹھا کر ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔ اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہاری زندگی کی رونق ہیں۔ اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جبکہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔“²³

دیکھیے کس خوبصورتی کے ساتھ تخلیص سے کام لے کر مقصد تخلیق اور ہدایت و رہنمائی کی طرف بیچ میں اشارہ کر دیا۔ فرمایا کہ خدا کی یہ نوازشیں اور انعامات ہیں جن کا تقاضا یہ تھا کہ انسان ان کی قدر کرے اور اپنے منعم حقیقی کا شکر یہ ادا کرے اور اس کے حقوق میں دوسروں کو شریک نہ کرے۔

خلاصہ بحث

قرآن ادب پیغام رسالت کے ابلاغ و ترسیل کا مکمل اور صاف و شفاف آئینہ ہے جسکی تعبیر میں اخلاقی تعمیر ہے، نسل انسان کے ہر طبقہ کے لئے بھرپور ہدایت کے ساتھ آسائش و آرائش کا سامان فرحت اپنے اندر سموائے ہوئے ہے اور بے شک یہ آسمانی ادب کا بہترین اور مکمل شاہکار ہے اور یہ یقیناً نثری و شعری اصناف میں وجدانی تصاویر کا ایک عالمی مرقع ہے۔ قرآن پاک خالق ارض و سماء کی معبودیت اور مخلوقات عالم کی ربوبیت و تربیت میں بے نظیر کشش، شگفتہ لطافت اور غیر منقطع وابستگی کا سرچشمہ ہے۔ قرآن حکیم کا نزول سارے عالم کے لئے ہوا ہے۔ یہ کتاب و سنت کے نصوص اور اجماع امت کی رو سے ایک حقیقت ہے۔ یہ ایک ابدی و آفاقی رہنمائے ادب ہے جو نظام حیات کا رہبر اور کامیاب زندگی کی حسین ترین تصویر ہے۔ یہ چونکہ الہی کلام ہے اس لئے انسانی ادب سے بہت بلند تر آسمانی ادب کا ایک شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ علم کا خداوند بھی ہے۔ فصاحت و بلاغت اور قواعد و محاورات کا خزانہ پیش بہا ہے، موزوں و مناسب الفاظ اور اثر انگیز آیات کا مسطور کن معجزہ بھی ہے۔ طویل سورتیں ہو یا مختصر، تمام آیات رشد و ہدایت کی علمبردار ہیں۔ قرآن کا ادبی اعجاز عربی ادب کا بے

مثال اعجازی کا رنامہ ہے جس پر فصاحت و بلاغت کا معیار منحصر ہے۔ یہ قرآن بلاغت کے اس مرتبہ پر فائز ہے جس پر بلاغت کی تمام اقسام کا احاطہ ہو جاتا ہے بلکہ اس پر مزید پیش رفت کی گنجائش ہے اور بالآخر یہ کہ یقیناً کلام الہی میں فصاحت و بلاغت، سلامت و متانت کا ادبی کمال ہے، جسکی تحقیق تا قیام قیامت جاری و ساری رہے گی۔ الغرض قرآنی ادب ہی دین عمل ہے اور یہی عالمی اخوت کا بانی، انسانیت کی معراج، مساوات عالم کا منبع، بین الاقوامی محبت و مروت کا گوارہ اور پیام امن کا واحد شاہکار ہے جس کا نہ صرف ہر لفظ بلکہ ایک ایک حرف بے مثل و بے مثال ہے۔

حوالہ جات

- 1 - افریقی، ابن منظور، محمد بن کرم، لسان العرب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تحت (ب، ل، غ)
Afrīquī, Ibn e Manzūr, Muhammad Bin Mukrram, Lisān al-‘Arab, Beirut: Dār al-Kutub al-‘Ilmiyyah, under (Ba-Lām-Ghayin)
- 2 - مرزا غالب، اسد اللہ خاں، دیوان غالب (اردو)، لاہور: تاج کمپنی لمیٹڈ (تاج ایڈیشن)، ص ۱۳۳
Mirzā Ghālib, Asad ullāh Khān, Dīwān e-Ghālib (Urdu), Tāj Company Limited, (Tāj Edition), Lahore, p. 143
- 3 - البقرہ، ۲: ۸۰
Al-Qur’ān, 2:80
- 4 - التکویر، ۸۱: ۱۸
Al-Qur’ān, 81:18
- 5 - الاعراف، ۷: ۵۴
Al-Qur’ān, 7:54
- 6 - المائدہ، ۵: ۷۵
Al-Qur’ān, 5:75
- 7 - الرعد، ۱۳: ۳۱
Al-Qur’ān, 13:31
- 8 - الرعد، ۱۳: ۲۷
Al-Qur’ān, 13:27
- 9 - الرعد، ۱۳: ۲۷
Al-Qur’ān, 13:27
- 10 - الرافعی، مصطفیٰ صادق، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویہ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، (۱۹۶۹ء)، ص ۲۱۹-۲۲۰

- Al-Rāf'ī, Muṣṭafá Sādiq, 'Ijāz al-Qur'ān wa al-Biāghat al-Nabwiyyah, Beirut: Dār al-kutub al-'ilmiyyah, 1969, pp. 219-220
- 11 نفس المصدر، ص ۲۳۰
- Ibid, p. 230
- 12 الرحمن، ۱۳:۵۵
- Al-Qur'ān, 55:13
- 13 المرسلات، ۱۰:۸۳
- Al-Qur'ān, 83:10
- 14 ابن کثیر، اسما عیلم بن عمر، تفسیر القرآن العظیم مشہور بہ تفسیر ابن کثیر، (مترجم: مولانا محمد جونا گڑھی)، مکتبہ اسلامیہ، ج 4، ص 460
- Ibn E Kathīr, Ismā'il Bin 'Umar, Tafsīr al-Qur'ān al-'zīm, (Tafsīr Ibn E Kathīr), "Translator: Mawlānā Muhammad Jōnā Garhī", Maktabah Islāmiyah, vol. 4, p. 460
- 15 المؤمنون، ۲۳:۱، ۲
- Al-Qur'ān, 23:1-2
- 16 المؤمنون، ۲۳:۹
- Al-Qur'ān, 23:9
- 17 الاسراء، ۱۷:۲۲
- Al-Qur'ān, 17:22
- 18 الاسراء، ۱۷:۳۹
- Al-Qur'ān, 17:39
- 19 الشوری، ۳۰:۳۲
- Al-Qur'ān, 42:40
- 20 الانعام، ۶:۶۵
- Al-Qur'ān, 6:65
- 21 الانعام، ۶:۶۵
- Al-Qur'ān, 6:65
- 22 المؤمنون، ۲۳:۲۲
- Al-Qur'ān, 23:22
- 23 النحل، ۱۶:۵، ۹
- Al-Qur'ān, 16:5-9